مہر کی نوعیت اور اس کے احکام

مہر کے ذریعہ عورت خریدی نہیں جاتی

بعض اوقات مہر کا اس طرح ذکر کیا جاتا ہے گویا مرد مال کے ذریعہ عورت کو خریدتا ہے۔ یہ مہر کی نوعیت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اسلام کے نزدیک عورت خرید و فروخت کا سامان نہیں ہے بلکہ اس کی ایک الگ جداگانہ حیثیت ہے، وہ ماں باپ یا کسی اور کی ملکیت نہیں ہوتی کہ ان سے اسے خریدا جائے۔ اگر وہ ان کی ملکیت ہوتی اور مہر لے کر وہ اسے فروخت کرتے تو مہر کی رقم انھیں ملتی جب کہ از روئے شریعت عورت خود مہر کی مالک ہوتی ہے، پھر یہ کہ اگر شوہر مہر کی وجہ سے اسے خریدتا تو وہ شوہر کی ملکیت ہوتی حالانکہ نکاح کے ذریعہ شوہر کو عورت پر مالکانہ اختیارات حاصل نہیں ہوتے، شادی کے بعد بھی اس کی انفرادیت اپنی جگہ باقی رہتی ہے۔

مہر کی نوعیت

اب آیئے ذرا تفصیل سے یہ دیکھیں کہ قرآن مجید نے مہر کو کس حیثیت سے پیش کیا ہے۔ جن عورتوں سے نکاح حرام ہے سورہ نساء میں تفصیل سے ان کے ذکر بعد فرمایا

وَاُحِلَّ لَكُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمۡ اَنۡ	ان کے سوا باقی سب عورتیں تمہارے لیے
تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ مُّحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ	حلال ہیں بشرطیکہ تم ان کو اپنے مال کے بدلے طلب
مُسٰفِحِيۡنَ‌ ؕ فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهٖ	کرو، قید نکاح میں لانے کے لیے نہ کہ بدکاری
مِنۡهُنَّ فَاٰ تُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ	کے لیے۔ پھر ان میں سے جن عورتوں سے تم
فَرِيۡضَةً‌ ؕ	نے نکاح کے ذریعہ فائدہ اٹھایا ان کے مہر انھیں
(نساء: ۲۴)	دو جو فرض ہے تم پر۔

اس سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) ایک یہ کہ محرمات کے علاوہ دوسری عورتیں حلال ہیں ان سے نکاح ہوسکتا ہے۔

(۲) اس کے لیے ضروری ہے آدمی مال کے ذریعہ انھیں طلب کرے۔

(۳) یہ طلب کرنا نکاح کے مقصد سے ہو، 'سفاح' یعنی زنا اور بدکاری کے لیے نہ ہو۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ زنا میں آدمی وقتی طور پر اپنی جنسی خواہش پوری کرکے عورت کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ خود اس کے نتائج بھگتتی رہے۔ اس کی کوئی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف نکاح اس ارادہ سے ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان مستقل تعلق ہوگا، دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں گے اور اپنی ذمہ داریاں پوری کریں گے۔

(۴) آیت کے سیاق سے یہ بات بھی واضح ہے کہ نکاح اور سفاح (بدکاری) کے درمیان مہر کی وجہ سے فرق پیدا ہوجاتا ہے۔ اس لیے کہ مرد پر عورت کی جو مالی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان میں سے ایک مہر بھی ہے۔ مہر عورت کا قانونی حق ہے اور اس کا ادا کرنا مرد کے لیے ضروری ہے۔ زنا میں مرد اس طرح کی کوئی ذمہ داری نہیں قبول کرتا۔

(۵) مرد نکاح کے ذریعہ عورت سے جو فائدہ اٹھاتا ہے مہر اس کا صلہ یا بدل ہے۔ قرآن نے کہا:۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ	پھر ان میں سے جن عورتوں سے تم نے فائدہ
فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ	اٹھایا انھیں ان کا اجر (یعنی مہر) دو۔

زمخشری کہتے ہیں کہ قرآن نے مہر کو 'اجر' سے تعبیر کیا ہے:

لان المهر ثواب على البضع[1]	اس لئے کہ مہر جنسی تعلق کا جزا یا صلہ ہے۔

فقہ حنفی میں مہر کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

إنه اسم للمال الذی یجب فی	مہر اس مال کو کہا جاتا ہے جو عقد نکاح میں
عقد النکاح على الزوج فی	شوہر پر جنسی استفادہ کے مقابلہ میں واجب

---

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/۲۸۳ [2] العنایہ علی الہدایہ ۲/۴۳۴

مقابلۃ البضع امّا بالتسمیۃ او	ہوجاتا ہے ۔یہ مہر کے تعین سے بھی ہوسکتا ہے
بالعقد [1]	اور عقد کی وجہ سے بھی ۔

اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ مہر کی وجہ سے مرد کو عورت سے جنسی استفادے کا تو حق ملتا ہے اس پر کسی قسم کا مالکانہ اقتدار حاصل نہیں ہوجاتا ۔بلاشبہ عورت بھی مرد سے جنسی فائدہ اٹھاتی ہے لیکن اس پر مہر کی نوعیت کی کوئی چیز واجب نہیں ہے ۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام عورت پر کوئی مالی بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا ۔اس نے اسے ہر طرح کی مالی اور معاشی ذمہ داریوں سے سبک دوش کر رکھا ہے ۔

مہر خلوص کی دلیل ہے

مہر کو اجر اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ عورت کو نکاح کے مقابلے میں ملتا ہے جو اس کی قانونی حیثیت کو ظاہر کرتا ہے ۔لیکن اس کے لئے قرآن و حدیث میں 'صدقہ' اور 'صداق' کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں جو اس کی روح کی ترجمانی کرتے ہیں ۔قرآن شریف میں ہے :

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً	عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے
(نساء: ۴)	دو ۔

'صدقہ' اور 'صداق' کے الفاظ 'صدق' سے نکلے ہیں ۔صدق کا لفظ عربی میں بہت وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے ۔اس کے مفہوم میں اخلاص محبت، دوستی، آدمی کا بات کا پکا ہونا، کسی سے جو حسن ظن ہو اس پر پورا اترنا آزمائش کے وقت سچا ثابت ہونا وغیرہ اس میں شامل ہیں [2]

مہر کے لئے لفظ صدقہ کے استعمال میں بڑی معنویت ہے ۔علامہ صاوی کہتے ہیں : صدقہ کا لفظ صدق سے ماخوذ ہے جو کذب کی ضد ہے ۔مہر کے لیے صدقہ کا لفظ اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ اس کا میاں بیوی کے درمیان موجود ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دل سے شریعت کی موافقت کرتے ہیں [3]

ملا جیون کہتے ہیں کہ یہ شوہر کے دعوائے محبت میں سچے ہونے کی دلیل ہے [4]

---

[1] العنایہ علی الہدایہ ۲/۳۴۴ [2] ابن منظور، لسان العرب، مادہ: ص، د، ق ۔ [3] حاشیۃ الصادی علی الشرح الصغیر: ۲/ ۴۲۸ [4] التفسیرات الاحمدیہ ص ۱۲۹

حقیقت یہ ہے کہ مہر شوہر کے خلوص اور محبت کی علامت ہے، اسے بیوی کی قیمت قرار دینا اس کے خلوص کی توہین ہے۔ مہر کے ذریعہ شوہر یہ ثابت کرتا ہے کہ عورت نے اس کے ساتھ جو حسنِ ظن قائم کیا اس پر وہ پورا اترے گا اور اسے دھوکا اور فریب نہیں دے گا۔

مہر عطیہ ہے

اس کے ساتھ آیت میں 'نحلہ' کا لفظ بڑا معنیٰ خیز ہے جو اس جذبہ اور کیفیت کو زیادہ بہتر طریقے سے واضح کرتا ہے جو مہر کی ادائیگی کے سلسلے میں ہونا چاہیے یہاں 'نحلہ' کے تین مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ لغت کے لحاظ سے تینوں ہی مفہوموں کی گنجائش ہے:۔

(۱) دین و مذہب، یعنی عورتوں کو ان کے مہر ادا کرو۔ اس کا ادا کرنا شرعًا اور قانونًا تم پر فرض ہے۔

(۲) خوش دلی سے ادا کرنا، مطلب یہ کہ عورت کے مطالبے اور اصرار کے بغیر اس کا مہر بخوشی ادا کیا جائے۔ اس میں ٹال مٹول نہ کیا جائے اس لئے کہ جو چیز بحث و تکرار اور لڑائی جھگڑے کے بعد دی جائے اسے نحلہ نہیں کہا جاتا۔

(۳) عطیہ دینا، مہر عطیہ اس معنیٰ میں ہے کہ شوہر اس کے عوض عورت سے کچھ نہیں لیتا۔ باقی رہا ازدواجی زندگی کا فائدہ تو جس طرح مرد یہ فائدہ اٹھاتا ہے اسی طرح عورت بھی یہ فائدہ حاصل کرتی ہے۔ اس مفہوم کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے:۔

ان اللہ تعالیٰ جعل منافع النکاح من قضاء الشهوة والتوالد مشترکا بین الزوجین ثم امر الزوج بان یعطی الزوجة المھر فکان ذٰلك عطیة من اللہ ابتداء[1]	اللہ تعالیٰ نے منافعِ نکاح یعنی جنسی خواہش کی تکمیل اور اولاد کا پیدا کرنا، میاں بیوی کے درمیان مشترک رکھے ہیں (یہ کسی ایک ہی کو نہیں حاصل ہوتے) اس کے ساتھ اس نے شوہر کو حکم دیا کہ وہ بیوی کو مہر دے۔ یہ گویا اللہ کی طرف سے شروع ہی میں ایک عطیہ ہے۔

---

[1] تفسیر کبیر: ۱۲۵/۳

اوپر نحلہ کے جو مختلف معنی بیان ہوئے ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :

ومضمون كلامهم ان الرجل يجب عليه دفع الصداق الى المرأة حتما وان يكون طيب النفس لذالك كما يمنح المنيحة ويعطي النحلة طيبا بها كذالك يجب ان يعطي المرأة صداقها طيبا بذالك[1]

ان کی ان تشریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کے لیے قطعاً واجب ہے کہ وہ مہر بیوی کے حوالہ کرے۔ یہ خوش دلی سے ہونا چاہئے جس طرح آدمی خوشی کے ساتھ کسی کو کوئی عطیہ دیتا ہے اسی کیفیت کے ساتھ مہر بھی ادا کرے۔

عورت کا مہر واجب ہونے کے باوجود جس طرح اسے یہاں 'نحلہ' سے تعبیر کیا گیا ہے اسی طرح عورت کا نفقہ بھی واجب ہے۔ اسے حدیث میں 'صدقہ' کہا گیا ہے۔ ان الفاظ کی معنویت سے بحث کرتے ہوئے علامہ ابن المنیرؒ کہتے ہیں :

تسمية النفقة صدقة من جنس تسمية الصداق نحلة فلما كان احتياج المرأة إلى الرجل كاحتياجه اليها في اللذة والتأنيس والتحصين وطلب الولد كان الاصل الا يجب عليها شيئ إلا ان الله خص الرجل بالفضل على المرأة بالقيام عليها ورفعه بذلك درجة فمن ثم جاز اطلاق النحلة على الصداق والصدقة على النفقة[2]

نفقہ کو 'صدقہ' اسی معنی میں کہا گیا ہے جس معنی میں مہر کو 'نحلہ' کہا گیا ہے۔ اس لیے کہ لذت نفس، انس و محبت، عفت و عصمت اور اولاد کی طلب کے لیے جس طرح عورت کو مرد کی حاجت ہے، اسی طرح مرد کو بھی عورت کی حاجت ہے جب دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ مرد پر کوئی چیز واجب نہ ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر مرد کو عورت پر یہ فضیلت دی ہے کہ وہ اس کی دیکھ بھال کرنے والا ہے۔ اسی لیے اس کا درجہ بلند کیا ہے۔ اس وجہ سے 'نحلہ' کا اطلاق مہر پر اور صدقہ کا اطلاق نفقہ پر جائز ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر : ۱/۴۵۱ [2] فتح الباری : ۹/۴۰۲-۴۰۱

مہر کا حکم قطعی اور ابدی ہے

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ کسی زمانے میں مہر کو اظہار محبت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہو اور اس وقت اس کی اہمیت اور افادیت بھی رہی ہو لیکن ہر زمانے کے حالات اور سماجی رجحانات مختلف ہوتے ہیں۔ موجودہ دور کی سماجی قدریں اسے اس محبت کے منافی سمجھتی ہیں جو میاں بیوی کے درمیان ہونی چاہیے۔ اور آج عملاً مہر کی بہت زیادہ اہمیت بھی نہیں رہ گئی ہے۔ اس لئے کہ عورت خود کمانے لگی ہے۔ کسی کی دست نگر نہیں ہے۔

اس پر دو پہلوؤں سے غور ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ شریعت نے مہر کو کیا حیثیت دی ہے کیا یہ کوئی عارضی حکم تھا یا اس کی نوعیت ایک ابدی قانون کی ہے؟ دوسرے یہ کہ کیا مہر کی افادیت محض وقتی تھی جو وقت گذرنے کے ساتھ گذر گئی یا اس کی افادیت اب بھی باقی ہے۔

جہاں تک شریعت کا تعلق ہے اس نے اسے ایک ابدی حکم ہی کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ مہر سے متعلق بعض آیات اوپر گذر چکی ہیں۔ ان آیات میں مہر ادا کرنے کا مطلقاً حکم دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ کسی قسم کے حالات کی کوئی شرط یا کسی زمانے کی کوئی قید نہیں ہے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید نے مہر کے احکام تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ ان کے ذیل میں بھی کہیں کوئی اشارہ تک نہیں ملتا کہ یہ وقتی حکم ہے۔ اس طرح کے قطعی اور واضح احکام کے بارے میں بھی ان کے وقتی ہونے کا سوال کھڑا ہو جائے تو شاید قرآن شریف کا کوئی حکم ایسا نہیں ہوگا جسے ابدی کہا جا سکے۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مہر کے بغیر کسی عورت سے جنسی تعلق قائم کرنا حرام ہے چاہے عورت نے بخوشی اپنے آپ کو اس کے حوالے ہی کیوں نہ کر دیا ہو، الا یہ کہ وہ اس کی باندی ہو۔ ابن حجر فرماتے ہیں۔

وقد اجمعوا علیٰ انہ لا یجوز	کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ بغیر مہر کے
لاحد ان یطأ فرجاً وھب لہ	وہ کسی عورت سے جنسی تعلق رکھے سوائے اس
دون الرقبۃ بغیر صداق[1]	کے کہ وہ اس کی لونڈی ہو۔ اس پر علماء کا اجماع ہے

[1] فتح الباری ۹/ ۱۶۷

ابنِ رشد کہتے ہیں۔

انهم اتفقوا على انه شرط من شروط الصحة وانه لا يجوز التواطؤ على تركه[1]	نکاح کے صحیح ہونے کے جو شرائط ہیں ان میں سے ایک شرط مہر بھی ہے۔ اس کے ترک پر اتفاق کر لینا جائز نہیں ہے۔ اس مسئلے پر فقہاء کے درمیان اتفاق پایا جاتا ہے۔

مہر کی نوعیت ایسی ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح کے وقت یہ شرط لگا دے کہ وہ مہر ادا نہیں کرے گا یا یہ کہ وہ مہر کا ذکر ہی نہ کرے تو بھی حنفیہ کے نزدیک وہ خود بخود واجب ہو جائے گا۔ اس لیے کہ یہ فیصلہ کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ہے کہ مہر دے یا نہ دے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کیا ہوا ایک فرض ہے جسے بہر حال پورا کرنا ہے۔ امام مالک تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ وہ نکاح ہی نہیں ہو گا جس میں آدمی نے مہر نہ دینے کی شرط لگا دی ہو[2]

مہر کی افادیت

اب اس کی افادیت پر غور کیجئے۔ نکاح سے جس جنسی تعلق کی اجازت ملتی ہے مہر سے اس کی قدر و قیمت ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے آدمی میں یہ احساس ابھرتا ہے کہ شریعت کی جس اجازت سے وہ فائدہ اٹھا رہا ہے اس کے لئے اس کو اپنا پیسہ صرف کرنا پڑا ہے۔ اور اس سے یہ جذبہ ختم ہوتا ہے کہ آدمی عورت کو حقیر اور بے قیمت سمجھے اور اس بات کو عورت پر بہت بڑا احسان سمجھے کہ اس نے اس کو اپنے حبالۂ عقد میں لے لیا اور اس سے تعلق رکھا۔

مہر عقد زواج کو باقی رکھنے کا بھی ایک بڑا ذریعہ ہے۔ یہ ایک نفسیاتی بات ہے کہ آدمی جس چیز کے حصول کے لیے اپنا پیسہ صرف کرے اس کو آسانی سے ضائع کرنا نہیں چاہتا، بلکہ اس کو حتی الوسع باقی رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے علاوہ طلاق کی راہ میں بھی یہ ایک رکاوٹ ہے۔ کیونکہ طلاق میں ایک تو موجودہ بیوی کا مہر جائے گا اور پھر دوسری شادی کے لیے اس کو دوبارہ مہر کی رقم خرچ

---

[1] بداية المجتهد ونهاية المقتصد ۲/ ۱۸ [2] العناية على الهداية ۲/ ۴۳۴ ، ۴۳۵

کرنی ہوگی۔

مہر میں ایک پہلو سے عورت کی دل جوئی بھی ہے اور مالی مدد بھی۔ اس سے وہ اپنی ضروریات میں فائدہ اٹھا سکتی ہے، کسی بہتر مصرف میں اس کو صرف کر سکتی ہے، یا نفع بخش کاموں میں لگا سکتی ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ آج عورت کے لئے معاش کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اس لئے مہر کی اہمیت نہیں ہے، اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا عورت کے لئے اتنی معاشی آسانیاں فراہم ہو گئی ہیں کہ وہ مرد سے بے نیاز ہو گئی ہے۔ ولو بالفرض اگر ایسا ہے بھی تو ان آسانیوں کی وجہ سے عورت کو مہر کے حق سے محروم کر دینا کیا اس کے حق میں مفید ہوگا؟ دوسرے یہ کہ مہر کی افادیت محض معاشی نہیں، اخلاقی اور نفسیاتی بھی ہے۔ کیا اسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟

مہر کی مقدار

شریعت نے مہر کی مقدار متعین نہیں کی ہے، بلکہ اس کو زوجین کے معاشی و سماجی حالات، ان کی خاندانی روایات، باہمی تعلقات اور آپس کے اعتماد پر چھوڑ دیا ہے۔ وہ چاہیں تو کم سے کم مہر بھی رکھ سکتے ہیں اور اس کی بھی انھیں اجازت ہے کہ وہ اپنے حالات کے تحت زیادہ سے زیادہ مہر مقرر کریں۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ	اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کو بدلنا
مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ	چاہتے ہو اور تم نے ان میں سے کسی کو بہت سا
قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا	مال دے دیا ہے تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ
اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا	لو۔ کیا تم اس کو لوگے جب کہ وہ تمہارے لیے
(النساء: ۲۰)	ناحق اور صریح گناہ ہوگا۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک خطبہ میں مہر کی زیادتی سے منع فرمایا اور چار سو درہم اس کی آخری حد مقرر کرنا چاہی تو ایک عورت نے برسر منبر انھیں ٹوکا کہ آپ کو اس فیصلہ کا حق نہیں ہے اس لیے کہ یہ قرآن کے خلاف ہے۔ پھر اس نے اس آیت کا حوالہ دیا۔ یہ

سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایک عورت نے صحیح بات کہی ہے۔ عمر کا فیصلہ غلط تھا[۱]۔

احادیث میں زیادہ مہر مقرر کرنے سے منع تو نہیں کیا گیا، البتہ اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ مہر کی مقدار کم رکھی جائے۔ ایک حدیث میں ہے:۔

ان اعظم النکاح برکۃ ایسرہ مؤنۃ[۲] — سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس کا بوجھ ہلکا ہو۔

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ دور رسالت میں مہر کی مقدار کم رکھی جاتی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہم لوگوں کا مہر دس اُوقیہ یعنی چار سو درہم ہوا کرتا تھا[۳]۔

خود ازواج مطہرات کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ یعنی پانچ سو درہم تھا[۴]۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مہر بہت زیادہ مت رکھو، اس لیے کہ اگر مہر کی زیادتی دنیا میں عزت کی اور آخرت میں تقویٰ اور خدا ترسی کی دلیل ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق تھے کہ آپ زیادہ مہر رکھتے لیکن آپ کی بیویوں اور بیٹیوں میں سے کسی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ نہیں تھا[۵]۔

ایک انصاری نے چار اوقیہ یعنی دو سو درہم مہر مقرر کیا تو آپ نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا یہ پہاڑ چاندی کا ہے اور تم اس سے چاندی تراش تراش کر لے آتے ہو[۶]۔

اب سوال یہ ہے کہ کم سے کم مہر کی مقدار کیا ہو سکتی ہے۔ شریعت نے اس کی کوئی حد متعین کی ہے یا نہیں؟ اس پر فقہاء کا قریب قریب اجماع ہے کہ مالی قدر و قیمت رکھنے والی چیز ہی مہر ہو سکتی ہے۔ جس چیز کی مالی لحاظ سے کوئی قیمت نہ ہو وہ مہر نہیں بن سکتی۔ اس کے ذریعہ نکاح جائز نہیں ہے[۷]۔ اس لیے کہ قرآن نے صاف صاف الفاظ میں کہا ہے۔

---

[۱] فتح الباری ۹/۱۶۱ [۲] مسند احمد: ۶/۸۲ [۳] نسائی، کتاب النکاح، باب القسط فی الاصدقہ

[۴] مسلم، کتاب النکاح، باب الصدق الخ ابوداؤد، کتاب النکاح باب الصداق، نسائی حوالہ سابق، ابن ماجہ، ابواب النکاح باب صداق النساء۔

[۵] ابوداؤد، کتاب النکاح، باب الصداق، ترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء فی مہور النساء۔ نسائی کتاب النکاح باب القسط فی الاصدقہ۔

[۶] مسلم، کتاب النکاح، باب ندب من اراد نکاح امرأۃ الخ [۷] اس سے ایک ابن حزم نے اختلاف کیا ہے۔ ان کے نزدیک

وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ	حلال کی گئی ہیں تمہارے لیے ان کے سوا (محرمات
اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِکُمۡ	کے سوا) سب ہی عورتیں کہ تم ان کو اپنے مالوں
(النساء: ۴: ۲۴)	کے بدلے چاہ سکتے ہو۔ (نکاح کرسکتے ہو)

قرآن مجید نے مطلقاً 'اموال' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس لیے فقہاء کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ وہ جس طرح زیادہ سے زیادہ ہوسکتا ہے، اسی طرح کم سے کم بھی ہوسکتا ہے۔ جب تک وہ اتنی حقیر مقدار کو نہ پہنچ جائے کہ اس کی مالیت ختم ہوجائے اور اس پر مال کا اطلاق ہی نہ ہوسکے، اس میں مہر بننے کی صلاحیت موجود ہوگی۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ یہ رائے علماء سلف وخلف کی اکثریت کی ہے۔ اس میں یحییٰ بن سعید، ابو الزنّاد، ربیعہ، ابن جریج، مسلم بن خالد، امام لیث، امام ثوری، ابن ابی لیلیٰ، امام شافعی، داؤد ظاہری، فقہاء اہل حدیث اور ابن وہب مالکی وغیرہ شامل ہیں[1]

اس کے برعکس امام ابوحنیفہ، امام مالک، سعید بن جبیر، امام نخعی، ابن شبرمہ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ شریعت نے مہر کی کم سے کم مقدار متعین کردی ہے۔ اس سے بھی کم کردینا صحیح نہیں ہے[2]۔ البتہ ان حضرات کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ مہر کی کم سے کم مقدار شریعت نے کتنی رکھی ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ مقدار دس درہم ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اس کی مقدار ربع دینار یا تین درہم ہے۔ ابن شبرمہ نے اس کی مقدار پانچ درہم مانی ہے۔ امام نخعی سے ۴۰ درہم اور دس درہم دونوں طرح کی روایتیں منقول ہیں[3]۔

امام شافعی اور ان کے ہم خیال فقہاء کی ایک دلیل قرآن مجید کی آیت بھی ہے۔

(بقیہ گذشتہ حاشیہ)

ایک دانۂ گندم بھی مہر ہوسکتا ہے۔ مہر کے لیے کسی چیز کا مالی قیمت رکھنا ضروری نہیں ہے۔ (نیل الاوطار ۶/ ۳۱۰ - ۳۱۱)

[1] نووی: شرح مسلم ۱/ ۴۵۷

[2] اس کی تائید میں قرآن مجید کی یہ آیت بھی پیش کی گئی ہے۔ قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم (الاحزاب: ۵۰) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ مہر کو واجب کیا ہے بلکہ اس کی حد بھی متعین کردی ہے۔ اب ہمیں ان دونوں ہی باتوں میں اس کی اطاعت کرنی ہوگی۔ اگر کوئی شخص صرف ایجاب مہر کو مانتا ہے اور اس کے تعین کو نہیں مانتا تو وہ اس آیت کے منشا کو رد کرتا ہے۔ الکفایۃ علی الہدایۃ ۲/ ۵۹ اس آیت سے یہ استدلال میرے خیال میں بہت زیادہ واضح اور مستحکم نہیں ہے۔

[3] تفصیل کے لیے دیکھئے نووی شرح مسلم ۱/ ۴۵۷ ابن حجر فتح الباری ۹/ ۱۶۵

فما استمتعم بہ منھن فاٰتوھنّ — پھر تم نے ان عورتوں میں سے جن سے فائدہ

اُجورھنّ فریضۃً (النساء: ۲۴) — اٹھایا ہے، ان کے طے شدہ مہر ادا کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ مہر ایک معاوضہ ہے جو عورت سے استفادہ کے بدلے میں مرد پر واجب ہوتا ہے۔ معاوضہ کو باہمی رضامندی سے طے ہونا چاہیے، ورنہ وہ معاوضہ نہیں رہے گا۔ مہر کی مقدار اگر پہلے سے متعین کر دی جائے تو اس سے معاوضہ کا تصور نکل جائے گا اور قرآن کا منشا پورا نہ ہوگا۔

اس گروہ کی دوسری دلیل بخاری و مسلم کی ایک روایت ہے جس میں آتا ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں اپنی ذات کو آپ کے لیے ہبہ کرتی ہوں۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ آپؐ اس کو اپنے حبالۂ عقد میں لے لیں۔ وہ دیر تک کھڑی رہی لیکن آپ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ کی خاموشی کو دیکھ کر ایک شخص نے عرض کیا۔ حضور! اگر آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو اس کا نکاح مجھ سے کرا دیجئے۔ آپ نے اس سے دریافت کیا، کیا تمہارے پاس مہر دینے کے لیے کچھ ہے۔ اس نے عرض کیا کہ اپنے اس تہمد کے علاوہ اور کوئی بھی چیز میرے پاس نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم اپنا تہمد اسے دیدو گے تو تمہارے پاس تہمد نہیں رہے گا۔ جاؤ اپنے گھر اور کوئی چیز لے آؤ۔ اس نے کہا حضور! میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی لے آؤ۔ اس نے اِدھر اُدھر کوشش کی لیکن وہ بھی اسے نہیں ملی۔ آپ نے فرمایا اچھا تو بتاؤ کیا تمہیں قرآن کا کوئی حصہ یاد ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں! فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہارے پاس جو قرآن ہے اس کے عوض میں نے تمہارا نکاح اس سے کر دیا۔[1]

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ مہر کی کمی کی کوئی حد نہیں ہے۔[2] زوجین اگر راضی ہوں تو مہر چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی ہو سکتی ہے جیسے ایک کوڑا، جوتا، لوہے کی انگوٹھی یا اس جیسی کوئی چیز۔[3] جو لوگ مہر کی کم سے کم مقدار کو متعین سمجھتے ہیں انھوں نے اس کا جواب دیا ہے اور اپنی تائید

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، مسلم کتاب النکاح، باب الصداق وجواز کونہ تعلیم قرآن وخاتم حدید الخ

[2] ابن حجر فرماتے ہیں لاحدّ لاقل المھر۔ فتح الباری ۹/۱۶۵

[3] نووی: شرح مسلم ۱/۴۵۷

میں بعض دوسرے دلائل پیش کیے ہیں۔ یہاں ہم احناف کے بعض دلائل کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔

احناف نے پہلی دلیل کا جواب یہ دیا ہے کہ مہر کی نوعیت زوجین کے درمیان طے ہونے والے محض ایک معاوضہ کی نہیں ہے بلکہ اس میں عبادت کا پہلو بھی ہے۔ اس لیے کہ کوئی بھی معاوضہ فریقین کی مرضی سے ختم کیا جاسکتا ہے لیکن مہر کو میاں بیوی اپنی مرضی سے ختم نہیں کرسکتے۔[۱]

مذکورہ بالا حدیث کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ وَلَوْ خاتماً مِنْ حَدِیْدٍ (لوہے کی ایک انگوٹھی ہی سہی) کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فی الواقع لوہے کی انگوٹھی مہر بن سکتی ہے بلکہ یہ ایک انداز بیان ہے کہ جو مہر بھی تم دے سکتے ہو دو اور اس کی کم سے کم مقدار معلوم و متعین تھی۔ اس کا دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس میں 'مہر معجّل' کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی اس وقت مہر کا جو حصہ بھی ادا کرسکتے ہو اسے ادا کردو، باقی تمہارے ذمہ واجب ہوگا' اس کی تائید میں یہ بات پیش کی گئی ہے کہ مہر معجل کا دورِ اول میں رواج عام تھا اور اس کی بہت اہمیت محسوس کی جاتی تھی۔ تیسری توجیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ معاملہ صرف اس شخص کے ساتھ خاص تھا' یہ دوسروں کے لیے نمونہ نہیں ہے۔ اس کی تائید میں ایک حدیث بھی پیش کی جاتی ہے لیکن وہ صحیح نہیں ہے — چوتھی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ جب آپ نے دیکھا کہ اس شخص کو قرآن شریف کی کئی سورتیں یاد ہیں تو آپ نے اس کی غربت کے باوجود اس عورت کا نکاح اس سے کردیا اور مہر طے نہیں کیا۔ لیکن 'مہر مؤجل' اس پر خود بخود فرض ہوگیا جو اس کو بعد میں ادا کرنا پڑا ہوگا۔ لیکن یہ سب تاویلیں بہت کمزور ہیں اور حدیث کے بیان پر پوری طرح منطبق نہیں ہوتیں۔[۲]

احناف کے مسلک کی بنیاد بیہقی کی ایک روایت ہے۔

لامهر دون عشرة دراهم — مہر کی مقدار دس درہم سے کم نہیں ہوسکتی۔

اس کی تائید حضرت علی کی ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

لاصداق اقل من عشرة دراهم[۳] — مہر دس درہم سے کم نہیں ہوسکتا

---

[۱] بدایۃ المجتہد ۲ [۲] تفصیل کے لیے دیکھئے، فتح الباری ۹/ ۱۶۷-۱۶۸

[۳] سنن دارقطنی، کتاب النکاح، باب المہر۔ سنن بیہقی ۷/ ۲۴۰ مطبوعہ حیدرآباد۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جن لوگوں نے مہر کی مقدار متعین سمجھی ہے اسے انھوں نے 'قطعِ ید' کے نصاب پر بھی قیاس کیا ہے احناف کے نزدیک 'قطعِ ید' کا نصاب دس درہم ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ مہر کا نصاب بھی کم از کم دس درہم ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ نصاب ظاہر کرتا ہے کہ دس درہم سے کم قیمت کی مالیت کسی محترم عضو کو حلال نہیں کرتی۔ لیکن ایک تو 'قطعِ ید' کا یہ نصاب متفق علیہ نہیں ہے[1]۔ دوسرے یہ کہ عورت سے استمتاع کو قطع ید پر قیاس کرنا بہت دور کا بلکہ صحیح معنے میں ایک بے بنیاد قیاس ہے۔ 'قطعِ ید' ایک جرم کی سزا ہے اور اس کی وجہ سے آدمی میں نقص پیدا ہو جاتا ہے لیکن عورت سے استمتاع میں نہ تو سزا کا کوئی تصور ہے اور نہ اس سے کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے بلکہ یہ باہمی مودت اور ایک خاص جذبے کی تسکین کا ذریعہ ہے۔ دونوں کے درمیان قیاس کی کوئی مشترک بنیاد نہیں ہے[2]۔

احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں مہر کی مقدار دس درہم سے کم بھی رہی ہے۔ اس لیے دس درہم اس کا نصاب مقرر کر دینا صحیح نہیں ہے۔ ذیل میں اس کی دو مثالیں دی

یہ دونوں حدیثیں محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔ حضرت علیؓ کی روایت موقوف ہے کیونکہ اس کو حضرت علی سے شعبی نے روایت کیا ہے اور دونوں میں ملاقات ثابت نہیں ہے۔ نیز اس کے ایک راوی داؤد اودی کو بھی ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ پہلی حدیث کا ایک راوی مبشر بن عبید ہے جس کو محدثین نے متروک الحدیث کہا ہے۔ امام احمد نے اس کی روایات کو موضوع بتایا ہے۔ مبشر بن عبید نے اس حدیث کو حجاج بن ارطاۃ سے روایت کیا ہے۔ حجاج بن ارطاۃ کی روایات بھی محدثین کے نزدیک قابلِ حجت نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی ۲/۱۸۳ دارقطنی مع التعلیق المغنی ص ۳۹۲

مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے حجاج بن ارطاۃ کی کئی جگہ تحسین کی ہے۔ جن وجوہ سے محدثین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے وہ زیادہ اہم نہیں ہیں۔ حدیث کے اس فقرے کو ابن ابی حاتم نے ایک لمبی حدیث کے ذیل میں بھی روایت کیا ہے۔ اس روایت میں یہ دونوں راوی نہیں ہیں۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ روایت میرے نزدیک حسن کے درجے سے کم نہیں ہے۔ فیض الباری ۴/ ۲۹۰، ۲۹۱۔

[1] مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ قطعِ ید کا نصاب بھی مہر ہی کے نصاب کی طرح عہد رسالت کے آغاز میں بہت کم تھا لیکن بعد میں دس درہم متعین ہو گیا۔ فیض الباری ۴/

[2] ابن رشد، بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۹، ۲۰۔

جاتی ہیں۔

۱۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے ایک انصاری عورت سے شادی کی اور ایک 'نواۃ' سونا اس کا مہر مقرر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا 'بارك الله' ولیمہ کرو، چاہے ایک بکری ہی ذبح کرو[1]

'نواۃ' کھجور کی گٹھلی کو کہا جاتا ہے، لیکن یہ لفظ پانچ درہم کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔[2]

۲۔ عامر بن ربیعہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے بنو فزارہ کی ایک عورت سے شادی کی اور مہر میں صرف ایک جوڑا جوتے دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے پوچھا کہ کیا اس مہر سے تم خوش ہو اور اس کے نکاح میں آنے کے لیے تیار ہو۔ اس نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے اس نکاح کو جائز قرار دیا۔[3]

۳۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایک شخص مہر میں اپنی بیوی کو ایک مٹھی غلہ دے اور وہ اس پر راضی ہو جائے تو نکاح جائز ہے۔[4]

ان میں سے پہلی روایت تو صحاح کی سب ہی کتابوں میں موجود ہے اس لیے اس کی صحت شک و شبہے سے بالاتر ہے۔ بعد کی روایتوں میں کسی قدر ضعف ہے۔ لیکن تعیینِ مہر کے سلسلے میں جو روایات پیش کی جاتی ہیں ان سے وہ بہر حال قوی ہیں۔ علاوہ ازیں ان کی تائید بعض دوسری روایات سے بھی ہوتی ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فریقین کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ کم یا زیادہ مہر مقرر کریں، وہ جس مقدار پر بھی متفق ہو جائیں صحیح ہے۔ چاہے وہ بہت ہی حقیر اور معمولی کیوں نہ ہو۔[5]

---

[1] بخاری، کتاب النکاح۔ باب الولیمۃ ولو بشاۃ۔ مسلم، کتاب النکاح۔ باب الصداق الخ

[2] ابن الاثیر:۔ النہایۃ فی غریب الحدیث ۴/ ۱۸۲ 'نواۃ من ذہب' کے معنے میں اختلاف ہے لیکن کسی نے بھی دس درہم اس کے معنے نہیں بتائے ہیں۔ اوپر ہم نے راجح قول کا ذکر کیا ہے۔ ابن حجر فتح الباری ۹/۱۸۵، ۱۸۶

[3] مسند احمد ۳/ ۴۴۵۔ ترمذی۔ ابواب النکاح، باب ماجاء فی مہور النساء۔ ابن ماجہ، ابواب النکاح باب صداق النساء۔

[4] ابوداؤد: کتاب النکاح، باب قلۃ المہر۔

[5] اس سلسلے کی کئی روایتیں دارقطنی میں موجود ہیں۔ (کتاب النکاح، باب المہر ص ۳۹۱۔ ۳۹۲) لیکن ان سب روایتوں میں ضعف پایا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شریعت نے مہر کی مقدار متعین نہیں کی ہے، بلکہ اس کو ہر دور کے حالات، زوجین کی معاشی و سماجی حیثیت ان کی خاندانی روایات، باہمی تعلقات، آپس کے اعتماد اور عورت کی ضروریات پر چھوڑ دیا ہے۔ وہ چاہیں تو کم سے کم مہر بھی طے کر سکتے ہیں اور اس کی بھی انھیں اجازت ہے کہ وہ اپنے حالات کے تحت اس کی مقدار زیادہ رکھیں۔ قرآن مجید سے بھی یہی رہنمائی ہمیں ملتی ہے۔ ایک جگہ فرمایا:۔

فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ	ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے
اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ	نکاح کرو اور دستور کے مطابق ان کے مہر
(النساء: ۲۵)	دو۔

یہاں 'اجور' کے معنے مہر لیے گئے ہیں اور اس کو معروف کا پابند بنایا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آیت میں آزاد عورتوں کے مہر کا ذکر نہیں بلکہ لونڈیوں کے مہر کا ذکر ہے اور ہمارے علماء کی اکثریت کی رائے میں لونڈیاں اپنے مہر کی مالک نہیں ہوتیں، بلکہ ان کے آقا اس کے مالک ہوتے ہیں لیکن اس سے اتنی بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ شریعت 'مہر' کے معاملے کو معروف کے حوالے کرنا چاہتی ہے۔ 'معروف' سے مراد یہاں کسی بھی زمانے کا وہ رسم و رواج ہے جس کو عام طور سے پسندیدہ نظر سے دیکھا جائے اور جو شریعت کے کسی واضح حکم یا اس کے مزاج سے نہ ٹکرائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مہر کی جس مقدار کو معقول اور مناسب سمجھا جائے اور اس کے نامناسب ہونے کا احساس نہ پایا جائے وہی صحیح مہر ہے۔ اس میں عورت اور مرد دونوں کی حیثیت کی بھی رعایت ہونی چاہیے اور زمانہ اور حالات کی بھی۔ ورنہ وہ اچھی نظر سے نہیں دیکھا جائے گا۔

مہر کے سلسلے میں ایک بحث یہ بھی رہی ہے کہ 'مال' کا اطلاق کن چیزوں پر ہوتا ہے۔ احناف کے نزدیک اس کا اطلاق نقد پر ہوتا ہے، یا ان چیزوں پر جو اپنی مالیت رکھتے ہیں۔ منافع کے لیے وہ بولا نہیں جاتا۔ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ ان تبتغوا باموالکم (اپنے مالوں کے ذریعہ ان کو طلب کرو) سے صریح طور پر دو باتیں نکلتی ہیں۔ ایک یہ کہ مہر وہی چیز ہوگی جس کو مال کہا جاسکے اور عورت جس کی مالک بن سکے۔ دوسرے یہ کہ مہر کو عورت کے حوالے کیا جانا چاہیے، تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ 'منافع' میں یہ دونوں باتیں ناممکن ہیں۔ نہ تو اس کو عورت کے حوالے کیا جاتا ہے اور نہ وہ

اس کی مالک ہی ہوتی ہے۔ مہر سے متعلق قرآن کی ایک اور آیت ہے۔

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً	عورتوں کو ان کے مہر خوشی دو۔ پھر اگر خوش دلی
فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ	سے وہ اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تو تم مزے سے
نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا (النساء: ۴)	کھا سکتے ہو۔

'عورتوں کو ان کے مہر دو' کے الفاظ بتاتے ہیں کہ مہر دینے کا مطلب عورت کو کسی بھی نوعیت کا فائدہ پہنچانا نہیں ہے بلکہ کسی مادی چیز کا دینا ہے۔ فائدہ پہنچانے کو دینا نہیں کہا جائے گا۔ پھر (تم مزے سے کھا سکتے ہو) کے الفاظ مزید وضاحت کر رہے ہیں کہ 'مہر' کوئی ایسی چیز ہونی چاہیئے جو کھائی جا سکے' یا جس سے کھائی جانے والی چیز حاصل کی جا سکے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اپنی بیوی کا مہر یہ مقرر کرے کہ وہ اس کو قرآن کی تعلیم دے دے گا تو یہ مہر صحیح نہ ہوگا۔[1] ویسے بھی متقدمین احناف کے نزدیک قرآن کی تعلیم پر اجرت لینا یا منافع حاصل کرنا صحیح نہیں ہے۔[2]

امام شافعی فرماتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم پر اجرت بھی لی جا سکتی ہے اور وہ مہر بھی بن سکتی ہے۔[3] ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو اوپر گذر چکی ہے جس میں آپ نے فرمایا:۔

اذهب فقد انكحتكها بما معك	جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس سے کرا دیا ہے۔
من القرآن[4]	اس قرآن کی وجہ سے جو تمہارے پاس ہے۔

ایک اور روایت ہے:۔

فقد زوجتكها فعلمها من	میں نے تمہارا نکاح اس سے کر دیا تم اس کو
القرآن[5]	قرآن کا کچھ حصہ سکھا دو۔

---

[1] جصاص: احکام القرآن۔ ۱۷۳/۲
[2] تفصیلی دلائل کے لیے ملاحظہ ہو' طحاوی: شرح معانی الآثار۔
[3] نووی: شرح مسلم ۴۵۶/۱
[4] بخاری، کتاب النکاح، باب التزویج علی القرآن وبغیر صداق
[5] مسلم کتاب النکاح باب الصداق وجواز کونہ تعلیم القرآن الخ

بعض اور روایتوں میں اس کی تفصیل بھی ملتی ہے کہ تم اتنی آیتوں کی اسے تعلیم دے دو متاخرین احناف نے ان دونوں باتوں میں امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک قبول کرلیا ہے۔ وہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا بھی صحیح سمجھتے ہیں اور اسے بطور مہر طے کرنا بھی ان کے نزدیک صحیح ہے[1]۔ اس طرح یہ مسئلہ علماء کے درمیان بڑی حد تک متفق علیہ بن گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مہر نقد بھی ہوسکتا ہے۔ زمین، باغ، مکان یا کوئی قیمتی چیز بھی ہوسکتی ہے اور عورت چاہے تو یہ بھی طے کرسکتی ہے کہ اسے بجائے ان مالیت رکھنے والی چیزوں کے تعلیم دلادی جائے، یا کوئی پیشہ سکھا دیا جائے۔

مطلقہ کا مہر

مہر کے بعض احکام کا تعلق طلاق سے بھی ہے۔ ذیل میں اس کی تھوڑی سی تفصیل پیش کی جارہی ہے۔ طلاق یا تو خلوت صحیحہ کے بعد ہوگی یا خلوت صحیحہ سے پہلے۔ دونوں صورتوں میں یا تو مہر متعین ہوگا، یا نہیں ہوگا۔ اس طرح طلاق چار مختلف حالتوں میں ہوسکتی ہے[2]۔ ان سب کے احکام الگ ہیں۔

۱۔ طلاق خلوت صحیحہ کے بعد دی جائے اور مہر متعین ہو تو پورا مہر ادا کرنا ہوگا۔ ارشاد ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً — عورتوں کو ان کے مہر عطیہ کے طور پر دو۔
(النساء: ۴)

دوسری جگہ ارشاد ہے :۔

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا (البقرہ: ۲۲۹) — تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ جو (مہر) تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو۔

۲۔ طلاق خلوت صحیحہ کے بعد دی جائے اور مہر متعین نہ ہو تو مہر بہر حال دینا ہوگا اس لئے کہ عورت سے استمتاع کے بعد مہر لازم ہوجاتا ہے۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً (النساء: ۲۴) — پھر ان میں سے جن عورتوں سے تم نے فائدہ اٹھایا ان کے مہر انھیں دو، جو تم پر فرض ہیں۔

---

[1] رد المحتار علی الدر المختار ۲/ ۴۵۹ [2] حوالہ سابق، ص ۴۶۳ - ۴۶۴۔ نیز ملاحظہ ہو شرح وقایہ ۲/ ۳۸ - ۳۹

مہر کی مقدار متعین نہ ہو تو میاں بیوی باہم رضامندی سے اس کی مقدار متعین کر سکتے ہیں۔ اگر ان میں اختلاف ہو تو مہر مثل واجب ہو گا۔ یعنی اس عورت کے خاندان کی دوسری عورتوں کا جو مہر ہو گا وہی اس کا مہر ہو گا۔[1]

امام رازی فرماتے ہیں کہ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ شبہ میں کسی عورت سے ہم بستری ہو جائے تو مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ اس بنیاد پر جس عورت سے باقاعدہ نکاح ہو بدرجہ اولیٰ اس کا مہر مثل واجب ہونا چاہیے۔[2]

۳۔ خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دی گئی لیکن مہر متعین ہو چکا تھا تو اس صورت میں نصف مہر دیا جائے گا۔ قرآن نے اس کی صراحت کی ہے۔

وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ	اگر تم نے ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی
تَمَسُّوۡهُنَّ وَقَدۡ فَرَضۡتُمۡ لَهُنَّ	اور تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو جو مہر مقرر کیا
فَرِيۡضَةً فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ اِلَّاۤ	تھا اس کا آدھا ہو گا۔ ہاں اگر وہ درگزر کریں
اَنۡ يَّعۡفُوۡنَ اَوۡ يَعۡفُوَا الَّذِىۡ	(اور اس سے کم لیں) یا وہ شخص جس کے ہاتھ
بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنۡ تَعۡفُوۡۤا	میں نکاح کی گرہ ہے (یعنی شوہر) درگذر کرے
اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى ؕ وَلَا تَنۡسَوُا	(اور زیادہ دے تو ایسا کر سکتا ہے) اگر تم عفو
الۡفَضۡلَ بَيۡنَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا	درگزر سے کام لو تو یہ تقوی سے زیادہ قریب
تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ‏	بات ہو گی۔ آپس میں احسان کرنا نہ بھولو۔ بے شک
(البقرہ : ۲۳۷)	جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے۔

۴۔ خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دی گئی لیکن مہر متعین نہیں ہوا تھا تو اسے 'متاع' دیا جائے گا۔ قرآن نے اس کے مہر کا ذکر نہیں کیا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اِنۡ طَلَّقۡتُمُ	اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نے عورتوں
النِّسَآءَ مَا لَمۡ تَمَسُّوۡهُنَّ اَوۡ تَفۡرِضُوۡا	کو اس وقت طلاق دی جبکہ ابھی تم نے نہ تو

---

[1] حوالہ سابق ۴۶/۳ [2] تفسیر کبیر ۲/ ۲۸۲

لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى	ان کو ہاتھ لگایا اور نہ ان کا مہر مقرر کیا۔ اس صورت
الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ	میں ان کو کچھ متاع دو۔ صاحب حیثیت اپنی حیثیت
قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا	کے مطابق اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق
عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ	متاع معروف کے مطابق ہو۔ احسان کرنے
(البقرہ: ۲۳۶)	والوں پر یہ لازم ہے۔

ان چار صورتوں کے علاوہ ایک اور صورت بھی ہے۔ وہ یہ کہ خلوتِ صحیحہ سے پہلے مرد کا انتقال ہوگیا اور مہر بھی متعین نہیں تھا تو امام مالک اور امام اوزاعی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اس عورت کو مہر نہیں ملے گا، متعہ دیا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بیوی سے شوہر جو جنسی تعلق قائم کرتا ہے مہر اس کا عوض ہے۔ جب یہ تعلق ہی قائم نہیں ہوا تو مہر کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ اسے شوہر کے مال میں میراث ملے گی۔ امام شافعی کی بھی معروف رائے یہی ہے۔

لیکن امام ابوحنیفہ اور امام احمد وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ عورت کو مہر مثل ملے گا اور میراث بھی ملے گی۔ اس کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اسی مسئلہ میں سوال کیا گیا کہ ایک آدمی کا انتقال ہوگیا۔ اس نے بیوی کا نہ تو مہر مقرر کیا تھا اور نہ اس کے ساتھ اس کی خلوت ہوئی تھی۔ آپ نے جواب دیا کہ اس کا مہر وہ ہوگا جو اس کے خاندان کی دوسری عورتوں کا مہر ہے۔ نہ کم نہ زیادہ۔ اسے عدت بھی پوری کرنی ہوگی۔ اسے میراث بھی ملے گی۔ معقل بن سنان اشجعیؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس فتویٰ کی تائید میں فرمایا کہ ہمارے قبیلہ کی ایک عورت بروع بنت واشق کا یہی معاملہ تھا اور رسول اللہؐ نے بالکل یہی فیصلہ فرمایا تھا۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بہت خوش ہوئے۔[1]

اس حدیث پر جرح بھی کی گئی ہے لیکن یہ جرح صحیح نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے شاگرد امام مزنی کہتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت ہو جائے تو اس کے مقابلہ میں کسی کی رائے قبول نہیں کی جائے گی۔[2]

---

[1] ترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء فی الرجل یتزوج المرأۃ الخ. ابوداؤد، کتاب النکاح، باب من تزوج ولم یسم صداقا حتی مات۔ [2] بدایۃ المجتہد ۲/۲۹

اگر خلوت سے پہلے عورت کا انتقال ہو جائے اور مہر متعین نہ ہو تو اس کا بھی فقہ حنفی کی رو سے یہی حکم ہے[۱]

عورت کو مہر میں تصرف کا حق ہے

قرآن مجید نے ایک طرف تو کہا کہ مہر عورت کا حق ہے، پہلے اس کے اس حق کو تسلیم کیا جائے۔ اس کے بعد وہ چاہے تو اپنے اس حق کو پورا پورا بھی وصول کر سکتی ہے، اس سے کچھ کم بھی لے سکتی ہے اور اسے معاف بھی کر سکتی ہے، دوسری طرف مرد سے کہا کہ اگر عورت بخوشی اپنے مہر کا کچھ حصہ واپس کر دے تو بڑے شوق سے تم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ ارشاد ہے:۔

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ	اگر وہ بخوشی اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تو تم
نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا (النساء:۴)	مزے سے اسے کھا سکتے ہو۔

اس آیت نے یہ بات پوری طرح واضح کر دی کہ مہر عورت کی ملکیت ہے۔ اسے اس سے دست بردار ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اپنی ملکیت میں آزادی سے تصرف کر سکتی ہے۔ اگر وہ بطیب خاطر اس میں سے کچھ دے تو شوہر اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ اس کے جبر کی وجہ سے یا اس کے ظلم و ستم سے ڈر کر اسے دے رہی ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا صحیح نہیں ہے۔ بعض علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ عورت مہر معاف کر دے اور بعد میں اس سے رجوع کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔ اس لیے کہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس نے خوش دلی سے یہ اقدام نہیں کیا تھا[۲]

شعبی کہتے ہیں کہ قاضی شریح کے پاس ایک عورت آئی۔ اس کے ساتھ اس کا شوہر بھی تھا، اس نے اسے ایک عطیہ دیا تھا جسے وہ واپس لینا چاہ رہی تھی۔ قاضی شریح نے شوہر سے کہا کہ اسے واپس کر دو۔ شوہر نے مذکورہ بالا آیت کا حوالہ دے کر کہا کہ عطیہ دینے کے بعد

---

[۱] ردالمحتار علی الدر المختار ۲/۳۶۰ [۲] تفسیر کبیر ۳/۱۴۶

اسے واپس لینے کا حق نہیں ہے۔ قاضی شریح نے کہا کہ قرآن نے تو یہ کہا ہے کہ وہ خوش دلی سے دے تو تم لو۔ اگر وہ خوش دلی سے دیتی تو واپس نہ مانگتی۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے قاضیوں کو لکھا کہ عورتیں رغبت سے بھی اور خوف سے بھی (مہر) دے دیتی ہیں۔ اگر عورت مہر دینے کے بعد پھر رجوع کرنا چاہے تو اسے اس کا حق حاصل ہوگا۔[1]

ویسے فقہاء اربعہ اسے صحیح نہیں سمجھتے کہ زوجین میں سے کوئی دوسرے کو عطیہ دینے کے بعد اسے واپس لے[2] لیکن یہ ایک قانونی بحث ہے۔ اتنی بات طے ہے کہ عورت جو بھی دے، خوش دلی سے دے، اس میں جبر واکراہ صحیح نہیں ہے۔

ایک دوسری جگہ فرمایا:۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ	اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ مہر کے
بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۚ	مقرر ہونے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے
(النساء: ۲۴)	اس کے بارے میں کوئی چیز طے کرلو۔

عورت اور مرد کی رضامندی سے مہر میں کمی بھی ہوسکتی ہے اور زیادتی بھی، ادائیگی میں عجلت بھی ہوسکتی ہے اور تاخیر بھی معافی بھی ہوسکتی ہے اور تبدیلی بھی۔ مثلاً، مہر میں باغ متعین تھا، اس کی جگہ مکان لے لیا۔[3]

ان سب باتوں کا تعلق میاں بیوی کے روابط، دونوں کے ایک دوسرے پر اعتماد اور ان کے حالات پر ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید نے اسے ان کی رضامندی پر چھوڑ دیا ہے۔ ایک فرض کی ادائیگی میں اس سہولت اور گنجائش کی وجہ سے معاشرتی زندگی میں جو خوش گوار فضا پیدا ہوتی ہے اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔

---

[1] حوالہ سابق۔ [2] ابن ہبیرہ: الافصاح ۲/۵۹۔

[3] مہر کی زیادتی کے بارے میں امام شافعی کو اختلاف ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ جصاص: احکام القرآن